ڈاکٹر سید محمد یوسف، صدر شعبہ عربی کراچی یونیورسٹی

کیا سائنسی ترقی اسلام کو ماڈرن بنانا چاہتی ہے

راولپنڈی کے بین الاقوامی اسلامی کانفرنس میں ڈاکٹر صاحب کا مقالہ صنم خانہ میں اذان کا مصداق تھا اور پورا مقالہ الحق میں شائع کرنے کے قابل، مگر گنجائش نہ ہونے کی وجہ سے ہم مقالہ کا وہ حصہ یہاں پیش کرتے ہیں جو اسکی جان ہے۔ ـــــ ادارہ ـــــ

★

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "ایحسب الانسان ان یترک سدی" ـــــ انسان کے شتر بے مہار کی طرح ہونے کے معنی یہی ہیں کہ وحی کو اولیت دئے بغیر تمام تر اپنی عقل پر بھروسہ کرے، عقل ہی کو معیار قرار دے۔ ایسے انسان کو حقیقت میں وحی سے کوئی سروکار نہیں ہوتا۔ لیکن معاشرہ کے دباؤ اور اخلاقی جرأت کی کمی کے باعث وحی سے ناطہ توڑ بھی نہیں سکتا۔ اس بے عقل ہی کی زیرکی سے کام لے کر عقل کے فتوی کو مذہب پر نافذ کرنا چاہتا ہے۔ اس عقلِ بے مہار یا عقلِ بے عقال کے مقابلہ میں "عقلِ مسلم" کا دائرہ عمل اور طریق کار دونوں بالکل مختلف ہوتے ہیں۔ عقلِ مسلم کا دائرہ عمل صرف فقہ ہوتا ہے۔ یعنی نصوص کا علم وفہم اور ان سے استنباط احکام مماثل حالات میں قیاس اور جہاں نص موجود نہ ہو وہاں دین کے اقتضا کی بابت تحرّی اور اجتہاد۔ یاد رہے کہ دین کے اقتضا کی بابت تحرّی اور اجتہاد محض عقلی کاوش سے بالکل مختلف ہے۔ اس کو یوں سمجھئے کہ ایک مسلم جسے سمت قبلہ معلوم نہیں وہ کیا کریگا؟

عقل کی حدود

اگر وہ ایسی صورت میں اپنے آپ کو آزاد سمجھتا ہے کہ جس سمت اس کا دل چاہے یا جس سمت کھڑا ہونا اس کو خوشگوار اور آرام دہ معلوم ہو اسی سمت نماز پڑھ لے تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ عقل نے رسی تڑالی اور پھر بے مہار ہو گئی۔ یہ تحرّی ہے۔ اور اگر وہ سمت قبلہ معلوم نہ ہونے کی صورت میں بھی اپنے آپ کو سمت قبلہ کا پابند سمجھتا ہے تو وہ اپنی مرضی اور آرام سے قطع نظر عقل

کی کاوش اور کوشش اس میں صرف کرے گا کہ سمت قبلہ کس طرف ہو سکتی ہے۔ اسطرح عقل بدستور مسلم رہے گی۔ اور اس کا نام "تحرر" نہیں "تحری" اور اجتہاد ہوگا۔

اسلام اور تجدد | یہاں جزئیات میں نہیں پڑنا، صرف عام ذہنیت اور رجحانات سے بحث ہے۔ یہی رجحان جس کو ابھی "تحری" کا نام دیا گیا، اس کا ایک شاخسانہ یہ ہے کہ دین کے اداروں کی ہیئت ۔۔۔ مثلاً زکوٰۃ اور قطع ید کی ہیئت ۔۔۔ بھی دیوارِ زنداں معلوم ہونے لگتی ہے۔ اس ہیئت کی مخاطب صرف "عقلِ مسلم" ہے۔ اس کی مخاطب عقلِ محض ہو ہی نہیں سکتی۔ جب یہ ہیئت دیوارِ زنداں معلوم ہونے لگے تو سمجھ لینا چاہیئے کہ "عقلِ مسلم" معلقہ بن کر رہ گئی ہے۔ اور عقلِ محض پس پردہ کارفرما ہے۔ یہ عقلِ محض ہی تو ہے جو یہ بتاتی ہے کہ موجودہ دنیا میں غیر اسلامی افکار کے فیشن شو (FASHION SHOW) میں شمولیت کے لئے ہیئت بدلنا ضروری ہے، اور ہیئت میں رکھا کیا ہے؟ تمام اسلامی اداروں اور اسلامی احکام کے ساتھ وہی عمل کرو جو ایک ماہر کیمیا اپنی تجربہ گاہ میں کیا کرتا ہے۔ ان اداروں یا احکام سے ان کی روح اور ان کی اقدار کو جدا کرو اور پھر انہیں وہ شکل و ہیئت دیدو جو زمانہ حال میں مقبول ہو۔ مسلمان کے مسلمان رہو گے، اور "ماڈرن" بھی بن جاؤ گے۔ اپنے بھی خوش رہیں گے اور غیروں کی محفل میں بھی باریابی کا شرف حاصل ہوگا۔ یاد آیا کہ قدیم فلسفیوں کا ایک گروہ تھا جو اپنے وجود میں بھی شک کرتا تھا۔ مسلم فلاسفہ ان سے تنگ تھے۔ خود اپنے وجود کی دلیل دوسروں سے مانگتے تھے۔ اور جو بھی دلیل دی جائے اس کا انکار کر دیتے تھے۔ بالآخر ایک منچلے چلبلے نے یہ تجویز کی کہ انہیں خوب پیٹا جائے۔ یہاں تک کہ یہ چلا اٹھیں: "میں ہوں اس لئے کہ میں چوٹ کی تکلیف محسوس کرتا ہوں۔" یہ علاج کہیں زیادہ کارگر تھا۔ اس علاج بالنفس سے کہ "میں ہوں اس لئے کہ میں فکر کرتا ہوں"۔ ان روح نکالنے والوں سے بھی کوئی پوچھے کہ اگر آپ کی روح آپ کی جسمانی ہیئت سے جدا کر دی جائے تو آپ کہاں رہیں گے۔؟ خیر! یہ تو مناظرانہ جواب تھا۔ ٹھنڈے دل سے کہنے کی بات یہ ہے کہ اسلام کی اقدار تو وہی کی وہی ہیں جو عقلِ محض، عقلِ سلیم (دعوت قبول کرنے سے قبل) سے ابلتی اور ابھرتی ہیں۔ انسان کی فطرت میں خدا کی طرف سے ودیعت کی گئی ہیں۔ اگر ایسا نہ ہو تو اسلام اور عقلِ محض یا فطرتِ انسانی میں بھی ویسا ہی تصادم نظر آئے جس کی مثالیں بعض دوسرے مذاہب میں ملتی ہیں۔ مگر اسلام تو دینِ فطرت ہے۔ "فِطْرَةَ اللّٰهِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا"۔ اسلامی اقدار کا فطرتِ انسانی کے عین مطابق ہونا تو خود اسلام کے دعویٰ کے بموجب ضروری ہے، پھر اسلام کی ضرورت کیا ہے؟ عقلِ محض ہی کیوں کافی نہ ہو۔؟ یہاں سے پتہ چلتا ہے کہ اسلام عقلِ انسانی کی جو مدد کرتا ہے وہ صرف

انتی ہے کہ ان اقدار کے لئے جو فطرتِ انسانی میں ودیعت کی گئی ہیں، عمل کی ایک مخصوص شکل و ہئیت پیش کرتا ہے۔ اقدار تو عقلِ محض کے لئے اجنبی نہیں، یہ دوسری بات ہے کہ کسی کی گرفت ان پر نسبتاً مضبوط ہو اور کسی کی ڈھیلی۔ البتہ عقلِ محض ہمیشہ سے اسی میں سرگرداں اور ناکام رہی ہے کہ ان اقدار کو انسان کی عبادات، معاملات اور پوری کی پوری ظاہری اور باطنی زندگی میں کیا منظم اور جامع شکل و ہیئت دی جائے۔ مثال کے طور پر چوری عقل انسانی کے نزدیک قابل سزا ہے۔ جو چوری کرتا ہو وہ بھی اپنے آپ کو چور کہلانا پسند نہیں کرے گا۔ یہاں تک کہنا چاہیئے کہ اسلام عقلِ سلیم کی ہاں میں ہاں ملاتا ہے، جہاں عقل کے پر جلنے لگتے ہیں اور اسلام آگے بڑھتا ہے۔ وہ یہ ہے کہ مکمل ضابطۂ حیات میں اس جرم کی وضع اس کا درجہ اور اس درجہ کے مطابق اسکی سزا اور سزا کی نوعیت اور سادہ اور عام فہم حد معین کرتا ہے۔ ایک اور مثال لیجئے! غنی کا زائد از حاجت دولت سے فقیر کی حاجت روائی کرنا ایک فطری انسانی جذبہ ہے۔ عقل کے نزدیک مستحسن ہے۔ لیکن چونکہ عقل مکمل ضابطۂ حیات میں اسکی شکل معین کرنے سے عاجز ہے، اسی لئے یہ جذبہ لیسا اوقات عملی طور سے غیر فعال اور بے کار ہو جاتا ہے۔ اور بہت نیچے دب کر جب پورے زور سے ابھرتا ہے۔ تو کمیونزم جیسی شکلیں اختیار کر لیتا ہے۔ جسے کہنا چاہیئے کہ اس انسانی جذبہ کی غلط تفسیر ہے۔ اسلام اس فطری جذبہ کو اس انسانی قدر کو اس عقلِ سلیم کے تقاضے کو ایک سادہ مگر نہایت ہی واضح اور عام فہم شکل و ہیئت دیتا ہے۔ جسکی تعیّن میں یہ امر ملحوظ ہے کہ وہ سارے نظامِ حیات سے پوری طرح ہم آہنگ ہو۔ اب سوچیئے کہ اعمال اور ضابطۂ حیات کی ہیئت اور شکل بدل دینے سے اسلام اور وحی کا حصّہ تو ختم ہو گیا، باقی جو رہ گیا وہ عقلِ محض اور سادہ فطرت کا حصّہ ہے۔ جو دین تو دین دنیا کی فلاح کے لئے بھی ناکافی ہے۔

دو ذہنیتوں کا فرق | ایک اور طریقہ سے دو ذہنیتوں کا فرق دیکھا جا سکتا ہے۔ ایک ذہنیت صحابہؓ کی تھی جو ہر موقع پر کہا کرتے تھے، افسوس رسول اللہ سے یہ نہ پوچھ لیا، یعنی وہ اعمال کی ہیئات و اشکال کی تعین میں وحی کی مدد کے مزید طالب تھے۔ دوسری ذہنیت اس بیسویں صدی میں ہماری ہے کہ جو ہئیات و اشکال خدا کی طرف سے ہمیں دی گئی ہیں، ان سے دل تنگ ہیں۔ اور چاہتے ہیں کہ یہ ہئیات و اشکال بھی معین نہ ہوتیں اور اسلام کنفیوشس کی تعلیمات کی طرح صرف مبہم اقدار کا مجموعہ ہی رہتا تو کیسا اچھا ہوتا، پھر ہم کیسے آزاد ہوتے۔ چونکہ ان ہئیات و اشکال

صحابہ کرامؓ اور بیسوی صدی کی ذہنیتوں کا فرق

کا تعین ثابت ہے۔ اور تیرہ صدیوں نے ان پر اعتراف کی مہر ثبت کر دی ہے۔ اس لئے اب ہم یہی کہہ سکتے ہیں کہ یہ ہئیات و اشکال قرون اولیٰ کے لئے تھیں، ہمارے لئے نہیں۔ یہ ذہنی تحرر ہے جس کا اوپر ذکر ہوا۔ سارا عذر یہ ہے کہ ہمیں بیسویں صدی میں رہنا ہے۔ اور اس زمانے کے رجحانات کا ساتھ دینا ہے۔ اچھا تو اس زمانے کے رجحانات کیا ہیں۔؟ سائنس کی ترقی، صنعت، تجارت۔ رہی جمہوریت تو اس کا بھاؤ آجکل گرا ہوا ہے۔ اسکی بھی قدر ہی قدر باقی رہ گئی ہے۔ شکل و ہیئت تو ہمارے دیکھتے ہی دیکھتے مختلف ممالک میں بیسیوں بار بدلی اور اب بھی آئے دن بدلتی رہتی ہے۔ سوشلزم سے ابھی آنکھ لڑی ہے۔ آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا۔

انگریز نے تعلیم یافتہ کو اسلام سے رخصت دلا دی

اچھا تو کوئی بتائے کہ سائنس کی ترقی کے لئے اسلامی نظام حیات کی کونسی اشکال و ہئیات میں تبدیلی ضروری ہے۔؟ سائنس علم ہے علم کاوش چاہتا ہے۔ خدا ہمیں بھی توفیق دے، نظام چاہے امریکہ کا ہو، چاہے روس کا، چاہے ماؤزے تنگ کا ہو چاہے چیانگ کائی شیک کا، اور ہاں چاہے میکاڈو کے جاپان کا۔ جس نے جتنی محنت کی اس نے اتنی علم میں ترقی کی، اگر آج ہم سائنس میں پیچھے ہیں تو اس کے تمام تر ہمارے سائنس دان ہیں نہ کہ مولوی ملا۔ تقریباً پندرھویں صدی تک سائنسی علوم کی مشعل ہمارے ہاتھ میں تھی اور اس وقت تک ہم نے اسلامی نظام حیات میں علوم کی ترقی کی خاطر کسی تبدیلی کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی۔ ہمارے سائنسدان صرف ایک رخصت کے طالب ہو سکتے ہیں، اور وہ یہ کہ انہیں اسلامی علوم سے قرآن و حدیث سے معاف کر دیا جائے۔ اس میں شک نہیں کہ ہمارے انیسویں صدی کے لائق صد تعظیم و تکریم علماء[1] یہ رخصت دینے کو تیار نہ تھے لیکن انگریز نے نہ صرف سائنسدانوں کو بلکہ ہر "تعلیم یافتہ" مسلمان کو اسلامی علوم سے رخصت دلا ہی دی۔ سر سید

سائنس میں پیچھے رہنے کے ذمہ دار سائنسدان ہیں نہ کہ علماء

---

[1] یہ وہ علماء ہیں جنہوں نے انگریزی پڑھی، عبرانی پڑھی، تورات پڑھی، انجیل پڑھی، اور علمی سطح پر عیسائی پادریوں کو شکست فاش دی۔ انہوں نے عملی سیاست میں گراں قدر حصہ لیا۔ دینی تعلیم اور اسلامی علوم کے حق میں جدید انگریزی تعلیم کے جن نتائج و عواقب کی انہوں نے پہلے روز پیش گوئی کی تھی وہ سو فی صد صحیح ثابت ہوئی

کو صرف ایک فکر تھی اور وہ یہ کہ مسلمانوں کو حکومت اور سیاست میں وہ مقام مل جائے جو ایک مستقل قوم کے شایانِ شان ہو اور ان کے ساتھ وہ سلوک نہ ہو جو ایک ناکارہ اور معاندانہ اقلیت کے ساتھ ہوتا ہے۔ اس مقصد کی خاطر انہوں نے بھی اسلامی علوم سے رخصت دینا گوارا کر لیا۔ ان کا خیال تھا کہ اسلامی علوم کی تلافی اسلامی تربیت سے ہو جائے گی۔ انہوں نے خلوص اور نیک نیتی سے جو چاہا تھا وہ تو اللہ نے پورا کر دیا اور علیگڑھ کی بدولت مسلمانوں کو حکومت میں مناصب ملے اور سیاست میں پاکستان ملا۔ لیکن ان کا یہ خیال غلط ثابت ہوا اور یہ سراسر غلط تھا ہی کہ علم کی تلافی کسی درجہ میں بھی تربیت سے ہو سکتی ہے۔ تربیت علم سے فائدہ اٹھانا سکھاتی ہے، علم کی جگہ تو نہیں لے سکتی۔ چنانچہ اسلامی علوم سے جدید تعلیم یافتہ طبقہ محروم رہا۔ شبلی کو اس کا اندازہ تھا۔ اور اکبر کی دور رس نگاہ تو وہ سب کچھ دیکھ رہی تھی جو آج پیش آ رہا ہے ۔

سرسیّد کا خیال غلط نکلا

شکر ہے راہ ترقی میں اگر بڑھتے ہو / یہ تو بتلاؤ کہ قرآن بھی پڑھتے ہو؟
دین کو سیکھ کے دنیا کے کرشمے دیکھو / مذہبی درس "الف بے" ہو علیگڑھ تے ہو

یہ بات تو کھری ہے، ہرگز نہیں ہے کھوٹی / عربی میں نظم ملت بی۔ اے میں صرف روٹی
لیکن جناب لیڈر یہ شعر سن کے بولے / بندھوائیں گے یہ حضرت اس قوم کو لنگوٹی
اس بات کو خدا ہی بس خوب جانتا ہے / کس کی نظر ہے غائر، کس کی نظر ہے موٹی

الغرض ایک مدت ہی سے زیادہ عرصہ ہو گیا کہ ہمارے سائنسدان علومِ اسلامیہ سے بے بہرہ ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ اس میں قوم کا نقصان ہے یا فائدہ، لیکن اتنا تو ہے کہ اگر ہمارے سائنسدان کمال پیدا نہ کر سکیں تو ان کے لئے دین، مذہب یا مولوی ملّا کے سر الزام دھرنے کی کوئی گنجائش نہیں رہتی۔ جب تک ہمارے سائنسدان علومِ اسلامیہ سے بے بہرہ ہونے کے ساتھ ساتھ بے تعلق بھی تھے، اس وقت تک کم از کم ان کی دیانتداری کا بھرم تھا۔ لیکن گذشتہ بیس سال سے یعنی قیامِ پاکستان کے بعد سے ہمارے سائنس دانوں کو بھی یہ شوق ہوا ہے کہ وقتاً فوقتاً اپنے

یہاں اسلام ایک مالدار یتیم بچے کی طرح ہے

معمل اور تجربہ گاہوں کی حدود سے نکل کر اسلام کی آبیاری اور سرپرستی کریں۔ دراصل پاکستان میں اسلام کی حیثیت ایک یتیم مگر مالدار بچے کی ہے جس کا متولی اور سرپرست بننے کا ہر ایک ہی خواہشمند ہے۔ لیکن اس دوڑ میں سائنسدان کے شریک ہونے سے سائنس کے وقار کو بٹہ لگتا ہے۔ ہم غیر سائنسدان سائنس کو احترام کی نظر سے دیکھتے ہیں، اس لئے کہ اس میں اٹکل پچو باتوں کی اور خیال آرائی اور لاف زنی کی گنجائش نہیں، اسی لئے ہم کبھی سائنس کی حدود میں قدم رکھنے کی جرأت نہیں کرتے اور اگر بے غیرتی لاد کر کبھی جرأت کر بھی بیٹھیں تو سائنس کے پاسبانوں سے امید نہیں کہ وہ ذرا بھی مروّت اور رواداری سے کام لیں گے۔ اس کے مقابلے میں جب سائنسدان اسلام کی حدود میں سرگشت کو نکل آتے ہیں تو انہیں دیکھ کر سب سے پہلے سائنس کے ساتھ ان کی وفاداری میں شک ہونے لگتا ہے۔ جو سائنسدان بغیر علم کے کسی بھی مسئلہ پر بولے اس کے متعلق یہ کہنا صحیح ہوگا، کہ اس نے سائنس کا پہلا سبق بھی نہیں سیکھا۔

اسلام کائنات میں غور و فکر کی دعوت کیوں دیتا ہے۔؟ | کہتے ہیں اور بار بار اسی کو دہراتے ہیں کہ اسلام مطالعۂ کائنات اور تسخیر کائنات پر زور دیتا ہے۔ ٹھیک ہے، توحید دعوت کے مرحلہ میں اسلام انسان کے اس فطری رجحان کا واسطہ دیتا ہے اور اس سے ہدایت کا راستہ نکالتا ہے۔ قبول دعوت کے بعد بھی اسلام انسان کے اس فطری رجحان کو آزاد چھوڑتا ہے۔ اور چونکہ مادّہ کوئی گھناؤنی چیز نہیں، دنیا کی آسائشیں اللہ کی نعمت ہیں اور ان سے جائز حدود میں تمتع بندہ کی طرف سے اللہ کے شکر کا موجب ہوتا ہے اور شکر اللہ کیطرف سے زیادتی کا ارمغان لاتا ہے۔ اس لئے اجازت ہے، بلکہ پسندیدہ اور مستحب ہے کہ تسخیر کائنات کرتا چلا جائے۔ اور جہاں تک تسخیر کائنات سے پیدا ہونے والی فوج مسلح طاقت کا تعلق ہے تو وہ تو فرض ہے کہ اس میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا جائے، لیکن مطالعہ کائنات اور تسخیر کائنات تو انسان کی فطرت میں ہے۔ اگر کوئی دین مذہب اس پر قدغن لگائے بھی تو انسان اس دین مذہب کے خلاف بغاوت کر دیتا ہے۔ پھر اس کے لئے عقل انسانی بالکل کافی ہے۔ وحی سائنس نہیں بلکہ مکارم اخلاق کی تعلیم اور تکمیل کے لئے آئی ہے۔ چنانچہ وحی مطالعہ کائنات کیطرف شوق دلانے والے اور معنی خیز مفید مطلب اشارے کر کے آگے بڑھ جاتی ہے، اور قبول دعوت کے بعد وحی تمامتر اہتمام کتاب اللہ کی تعلیم کا کرتی ہے۔ جو کہ زندگی کی غایت اصلی ہے۔ قرآن کے مجموعی نظام میں کتاب فطرت کی حیثیت وہی ہے جو قصیدہ میں تشبیب کی ہوا کرتی ہے۔ کتاب اللہ کا درجہ

مدیح یا قصیدہ کے مقصد اصلی کا ہے۔ قبولِ دعوت گویا کہ مخلص یا گریز ہے۔ چنانچہ جیسے ہی حسن فطرت کے ذکر سے سامع کی توجہ حاصل ہوتی ہے، اس کے سامنے اللہ کا ذکر اور اس کا کلام رکھ دیا جاتا ہے۔ اور یہ مطالبہ ہوتا ہے کہ اللہ کے کلام کو پڑھے، اسے سمجھے، اس میں غور و فکر کرے، استنباط احکام کرے اور دنیا میں شریعت نافذ کرے۔ ہمارے سائینسدان جو سُنی سنائی ادھوری بات لے اڑتے ہیں، اس سے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کتاب اللہ یہ تاکید کرنے کے لئے ہی نازل کی گئی تھی کہ کبھی کتاب اللہ نہ پڑھنا، سیرت کو سنوارنے کی فکر نہ کرنا، بس مطالعۂ کائنات اور تسخیرِ فطرت میں لگے رہنا۔ اللہ کی اطاعت صرف اس میں ہے کہ چاند پر پہنچ جانا۔ چاند پر قرآن لے کر جانے سے حاصل۔؟ کیا سائینسدانوں کی ساری جدوجہد اس لئے ہے کہ وہاں علمائے دین آباد کئے جائیں جو اس زمین پر بارِ دوش ہیں۔؟ کوئی میری باتوں کو ہذیان نہ سمجھے، سب کو یاد ہونا چاہیئے کہ ہمارے متعدد سائینس دان متعدد بار منبرِ عام سے یہ کہہ چکے ہیں کہ اگر پاکستان کی فلاح مطلوب ہے تو نہ صرف اسلامی علوم بلکہ تمام آرٹس کے شعبوں میں تالے ڈال دینا چاہیئے، یہ عقل کی رعونت بھی ہے، اور بہانہ تراشی بھی۔ اس رعونت کے ساتھ جب کوئی اپنے مقاصد کے لئے اسلام کو بیچ میں لائے تو اسے مصلحت پرستی کے سوا اور کیا کہا جا سکتا ہے۔

اسی ذیل میں یہ کوشش بھی کی جاتی ہے کہ قرآن میں جو "الحکمۃ" کا لفظ استعمال ہوا ہے اُسے سائینس کے مترادف قرار دیا جائے۔ قرآن کو علوم طبیعیہ کی تعلیم سے کوئی سروکار نہیں، قرآن تو کتاب کے ساتھ اخلاق کی عملی تربیت کا اہتمام کرتا ہے۔ "الحکمۃ" سے یہی مراد ہو سکتی ہے اور ہے۔ ■

بقیہ: احوال و کوائف

اور سوڈان کے بعض حضرات نے تبلیغ کی اہمیت پر عربی میں تقریریں فرمائیں۔

امتحانات | صفر کے پہلے ہفتہ میں دارالعلوم کے سہ ماہی امتحانات شروع ہوئے جو تقریباً ایک ہفتہ جاری رہے۔ ابتدائی کتابوں کا امتحان تقریری اور وسطانی و درجۂ علیا کا امتحان پرچوں کے ذریعہ لیا گیا۔

ناظرہ کورس | محکمۂ تعلیم پشاور ریجن گذشتہ سال کی طرح اس سال بھی تعطیلات گرما میں سکولوں کے اساتذہ کو ناظرہ قرآن کا ریفریشر کورس کرا رہا ہے۔ پچھلے سال کیطرح اس دفعہ بھی محکمہ کی خواہش پر اس کورس کے سنٹروں کے لئے دارالعلوم نے فضلاء اور علماء مہیا کئے۔ جو ۸ اور ۱۱ جولائی سے اساتذۂ مدارس کو ناظرہ قرآن کریم پڑھائیں گے۔